عربی ادب میں افسانے کی روایت

محمد جاوید

ABSTRACT:

Arabic literature is one of the oldest as well as the richest literatures of the world. It dates back to the pre Islamic period. It was basically in verse form and was transmitted orally from one generation to other. Since the Arab land was barren and short of sources, the Arabs had to struggle hard to make both ends meet. It is in this perspective that oral tradition of Arabic literature flourished. It contained all tinge of literature though mainly in verse. The Arabs got acquainted with theform of story when stories from other languages were translated in Arabic. Modern day concept of short story is novel to Arabic literature. The Arab writers took fancy of it and first translated western short stories into Arabic and then began producing original ones. This article traces the tradition of fiction in Arabic literature.

Keywords: Orientalists, Edward Said, Arabic Fiction, Napoleon Bonaparte, Egypt, Pre-Islamic Period, The Arab, Ibn Tufayl, Arabian Nights, Antoine Galland

دیگر مشرقی علوم و ادبیات کی طرح عربی زبان و ادب کے احیا کا سہرا بھی مستشرقین کے سر ہے۔ مستشرقین نے بڑی محنت سے عربی ادب کی امہات الکتب کی نہ صرف تدوین کی بل کہ انھیں زیورِ طبع سے آراستہ بھی کیا۔ ان میں سے بعض کے تراجم یورپی زبانوں میں کیے۔ مستشرقین کے ان کاموں کی نوعیت خواہ خالص علمی ہی ہو مگر بہ طور مجموعی ان کی خدمات کے حوالے سے وہی رویہ دیکھنے میں آتا ہے جس کی نمائندگی کرتے ہوئے ایڈورڈ سعید نے اپنی معروف کتاب Orientalism میں شرق سناسی کی تعریف کے ذیل میں کہا ہے کہ شرق سناسی کا بنیادی مقصد مشرق پر مغرب کی حکم رانی اور تسلط ہے۔(۱) ایڈورڈ سعید کے بیان سے مترشح ہے کہ شرق شناسی کا بنیادی مقصد علم

دوستی کے بجائے مغربی طاقتوں کا مشرقی علاقوں پر تسلط اور اس کے تسلسل کے لیے علمی جواز کی فراہمی ہے۔ لارڈ میکالے سے یہ بیان منسوب ہے کہ ہندوستان کے تمام ذخیرۂ ادب کی حیثیت یورپی ادب کے مقابلے میں ایک الماری سے بھی کم تر ہے۔ چناں چہ عربی ادب بالخصوص قصے اور کہانی کے حوالے سے ہمیں مستشرقین کا لارڈ میکالے والا رویہ دیکھنے کو ملتا ہے۔عربی ادب کی تاریخ پر جو کتابیں مستشرقین نے تصنیف کیں، ان میں عربی ادب کوافسانوی ادب سے تہی بتایا گیا جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ذیل کے اقتباس میں اس الزام اور اس کی تردید کی بازگشت سنائی دیتی ہے:

> ''بیسویں صدی کے اوائل میں عربی ادب کی تاریخ پر مستشرقین نے جو کتابیں لکھیں، ان میں یہ واویلا بڑے منظّم انداز میں کیا گیا کہ اہل عرب کے ہاں جینوئن فکشن نام کی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں۔اس واویلے سے متاثر ہوکر بعض عرب نقاد بھی بغیر تحقیق کیے اپنی تحریروں میں انھی خیالات کو دہرانے لگے۔مگر جب تعصب اور بددیانتی کی دھند چھٹی، حقیقت اس کے برعکس نکلی۔ادبیات عالم کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ فکشن کے اولین نقوش عربی ادب میں دیکھے جا سکتے ہیں۔''(۲)

بیسویں صدی کے نصف آخر تک آتے آتے یہ حقیقت تسلیم کر لی گئی کہ مذکورہ بالا خیالات اور نظریات کے فروغ کی بڑی وجہ عربی ادب سے ناواقفیت تھی نہ کہ واقعاتی حقیقت۔ جدید تحقیق نے عربی ادب پر لگے ان الزامات کو بالکل رد کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی ہے کہ فن کی نمود ایک آزادانہ عمل ہے اور اس عمل کے وجود اورعدم وجود کا تعلق کسی خاص خطۂ زمین سے نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی آزادی اور فنی ارتباط کسی پروپیگنڈے کا محتاج ہے۔ بہرحال پر پیگنڈہ اور نہ ہی حالات کی عدم سازگاری عربی ادب کی پیش رفت کو روک سکی۔

جدید عربی ادب کا نقطہ آغاز ۱۷۹۸ء میں مصر پر نپولین بونا پارٹ کا حملہ اور قبضہ قرار دیا جاتا ہے۔(۳) فرانس کے مصر پر قبضے سے نہ صرف اہل مصر جدید مغربی اصنافِ ادب سے متعارف ہوئے بل کہ اس میں اتنی ترقی کی کہ عربی ادب جملہ اصناف کے ساتھ بیسویں صدی کے نصف آخر تک کمالات کے جوہر دکھانے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں عربی شاعری میں تکنیکی اعتبار سے نہ صرف ایک بہت بڑے انقلاب کی راہیں ہموار ہو چکیں تھیں بل کہ بعض ایسے شعری نمونے بھی ظہور پذیر ہو رہے تھے جنھیں آگے چل کر دنیا کی معاصر ممتاز شاعری میں اہم مقام پانا تھا۔ڈراما اگرچہ مصر میں تو متعارف ہو چکا تھا لیکن ابھی اسے بہت سے عرب ممالک میں اپنی جگہ بنانا تھی۔اسی طرح بیسویں صدی کے چھٹے عشرے میں فکشن اپنے تجرباتی دور سے نکل کر عروج حاصل کر چکا تھا اور بہت سے افسانہ نگاروں نے ایسے افسانے تخلیق کر لیے تھے جن کو شاعری کے مقابل کھڑا کیا جا سکتا تھا۔ بیسویں صدی کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے فقط افسانہ ہی نہیں بل کہ دوسری اصناف بھی اپنے معیار اور مقدار کے اعتبار سے کسی بھی طور شاعری سے پیچھے نہیں تھیں۔

عربی زبان و ادب کے بغور مطالعہ سے یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ عربی زبان میں تخلیقی ادب اور کہانی ہر

دور کے ادب کا حصہ رہی ہے۔ان آثار کے نقوش ظہور اسلام سے کافی پہلے تک کے ادوار میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت کے عربی ادب میں کہانی کی متنوع اقسام کا سراغ ملتا ہے۔ان میں سے بعض قصے وہ ہیں جن کا تعلق قبل از اسلام سے ہے۔ ان قصوں کا مزاج اور بُنت قدیم اساطیری روایات سے مشابہ ہے۔یہ کہانیاں زیادہ تر عربوں کی طبع زاد تخلیق ہیں۔

قبل از اسلام دور کا ایک بہت بڑا خزانہ وہ افسانوی کہانیاں اور سورماؤں کے کارناموں پر مشتمل ادب ہے جنھیں وھب بن منبہ نے کتاب التیجان فی ملوك حمیر یعنی'شاہانِ حمیر کے تاجوں کی کتاب' میں محفوظ کر دیا ہے۔ یہ کتاب ایسی دیو مالائی کہانیوں پر مشتمل ہے جس میں مافوق الفطرت اور اساطیری واقعات کی بہتات ہے۔ اس کتاب کو عربوں کے ہاں افسانوی ادب کے ابتدائی نقوش قرار دیا جاسکتا ہے۔مگر اس کتاب کو بعض وجوہات کی بنا پر نظر انداز کیا گیا۔اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے جسے آج کل فکشن کہا جاتا ہے۔(۴)

عرب لق و دق صحرا پر مشتمل تھا۔اس صحرائی ماحول کی وجہ سے عربوں کی زندگی بہت کٹھن تھی۔اسی بنا پر ان کے ہاں جہد للبقا کا معرکہ ہردم گرم رہتا تھا۔قبائل باہم متحارب رہتے تھے۔ یہ لڑائیاں عام طور پر نخلستانوں اور پانی کے ذخیروں پر قبضہ کرنے، ایک دوسرے پر غلبہ پانے اور اپنے قد کاٹھ کے اظہار کے لیے لڑی جاتی تھیں۔ان لڑائیوں میں سورماؤں کے خون کو گرمانے کے لیے بہادری کے قصے اور قبائلی انتقام کے واقعات کو تخلیق کا حصہ بنا کر جذبات کو ابھارا جاتا تھا۔ان واقعات کو ایام العرب (عربوں کے معرکوں کے دن) کہا جاتا ہے۔یعنی''جاہلی ادب میں قصے کا وجود'ایام العرب' میں ملتا ہے۔''(۵) یہ رزمیہ داستانیں عربی ادب کا ایک قابل قدر حصہ ہیں۔ان داستانوں میں طویل رومانوی قصے، بہادروں کے کارنامے اور دل چسپ واقعات موجود ہیں۔بہادری کے یہ واقعات عام طور پر مسجع نثر میں ہیں اور انھیں باقاعدہ گیت کی شکل میں گایا جاتا تھا۔

عربی میں عشق و محبت کے واقعات کو کہانیوں کا روپ دینے کی روایت کے نقوش قبل از اسلام کے دور تک ملتے ہیں۔ ان میں پاکیزہ اور فحش دونوں طرح کی کہانیاں شامل ہیں۔جاہلی شاعر المرقش الاکبر کی شاعری پاکیزہ محبت کی مدح سرائی سے بھرپور ہے۔عربی میں ایسے شعرا کی کثیر تعداد ہے جنھوں نے عربوں کے مشہور رومانوی واقعات کو نظم کے پیکر میں ڈھالا۔منظوم پیکر میں ڈھلنے والے یہ واقعات دل چسپ ہوتے تھے۔بعض اوقات افسردہ اور نیم افسردہ واقعات کو بھی نظم کی صورت دے دی جاتی تھی۔ان کہانیوں میں عربوں کی خالص روح، ماضی پرستی، بہادری اور معاملات عشق کو موضوع بنایا جاتا تھا۔ یہ کہانیاں صدیوں زندہ رہیں کیوں کہ ان کے ہیرو نامور شعرا تھے۔ دور جاہلیت میں شہوت پرستانہ محبت پر مبنی کہانیاں بھی عام تھیں۔ایسی کہانیوں کو شعری روپ دینے میں المرقش الاصغر نے خوب شہرت پائی۔ یہ محبت میں کامیابی اور ملاپ کا شاعر تھا، اور یہی بات اموی شعرا کے بارے میں کہی جاسکتی ہے،جن کی شاعری میں دولت کی ریل پیل،ہوس رانی ، عاشق کی نفسانی خواہش کی برآری نمایاں ہوتی تھی۔ پاکیزہ اور شہوت پرستانہ محبت پر مبنی شاعری ہمیشہ ہی سے عربی ادب میں رومانوی کہانیوں کے تناظر میں دیکھی گئی ہے۔

جوں ہی عباسی دور شروع ہوا، انشایئے کے بہت سے نئے انداز سامنے آئے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں سچائی کی پیش کش کے اصرار نے عربوں کو کہانی کاری سے روکے رکھا۔ اسی وجہ سے انشایئے کی ایک اور صنف سامنے آئی جسے الاخبار (واحد الخبر) کا نام دیا گیا۔ یہ صنف اموی دور میں رائج تو ہو چکی تھی مگر اس نے باقاعدہ شکل عباسی عہد ہی میں اختیار کی۔ یہ شہادتوں کے ساتھ ایک طرح کا بیان تھا اور بعض اوقات تو یہ شہادتی سلسلہ خاصا دراز ہوتا تھا۔ اس صنف سے مراد فن اسمائے الرجال ہے جس کا مقصد بیان کی سچائی تھا۔ اس صنف کے تحت تاریخی اور سیاسی واقعات کہانی کے انداز میں یوں گندھے ہوتے کہ اس سے عباسی دور کے اہم واقعات بھی نگاہوں کے سامنے پھر جاتے۔ اس صنف نے بھی عربوں کو کہانی لکھنے سے دور رکھا۔ یہ صنف خالصتاً عربوں کی اپنی ایجاد ہے۔ اس صنف کی بدولت عربی میں اتنی ضخیم کتابیں اور مجموعے وجود میں آئے جن کا تصور بھی محال ہے۔ اسی عہد میں ایرانی اور ہندوستانی کہانیوں کو عربی میں منتقل کرنے کی باقاعدہ کوششیں شروع ہوئیں، اور یوں ان کہانیوں سے عرب بھی متعارف ہونے لگے۔

عربوں نے تخلیقی اظہار کے لیے کلاسیکل اور مابعد کلاسیکل ادوار (۱۸۵۰ء۔۱۲۵۰ء) میں اظہار کے بہت سے دیگر ذرائع اختیار کیے۔ ان میں سے بعض ذرائع خالصتاً عربوں کے اپنے خلاق ذہن کی پیداوار تھے۔ اس کے علاوہ عرب دنیا ترجمے کے ذریعے باہر کی ادبی دنیا سے متعارف ہوئی۔ ایسا ہی ایک کام کلیله و دمنه ہے۔ یہ ابن مقفع کا فارسی سے عربی میں ترجمہ شدہ کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ اصل کے اعتبار سے ہندوستانی ہے۔(۶) ابن مقفع نے اتنے رواں اور خوب صورت انداز میں اس کو عربی کے قالب میں ڈھالا ہے کہ اس پر طبع زاد ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ کچھ اور تراجم بھی عباسی دور میں ہوئے جن میں الف لیله ولیله اور اخوان الصفا کے رسائل کے تراجم قابل ذکر ہیں۔

اسی طرح المقامات کے عنوان سے ایک اور صنف ادب بھی خالص اہل عرب کی ایجاد ہے۔(۷) اس صنف کا بانی بدیع الزمان الحمذانی ہے۔ اس کے تتبع میں اور لوگ بھی اس صنف میں طبع آزمائی کو آگے آئے۔ یہ مقامات دراصل مصنف کے پُر زور تخیل کا کرشمہ ہیں۔ اس صنف میں واقعات کو افسانوی انداز میں بیان کیا جاتا تھا۔ یہ بالعموم محیرالعقول اور مزاح سے بھرپور واقعات پر مشتمل ہوتے تھے اور ان کے ذریعے اس وقت کی بدلتی ہوئی معاشرتی اقدار بالخصوص شہری زندگی پر چوٹ کی جاتی تھی۔ ان مقامات کے ذریعے عرب تمدن میں اشرافیہ اور رزائل طبقات کے ظہور کی طرف اشارے کیے جاتے تھے۔ مقامات کے کردار عام طور سے عباسی سوسائٹی کے پس منظر سے متعلق ہوتے یعنی محروم، مداری، بدقماش، احمق، نودولتیے..... یعنی زیادہ تر ولن ٹائپ کردار۔ بالعموم ایک مقامے کے دو بڑے ہیرو ہوتے: ایک جس کے ساتھ یہ واقعات پیش آتے اور دوسرا جو ان واقعات کو بیان کرتا۔

کتاب رسالة الغفران گیارویں صدی عیسوی کے نابینا شاعر ابوالعلا ء المعری کا تصوراتی سفر آخرت ہے۔ یہ کتاب فصیح و بلیغ عبارت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ المعری اس کتاب میں کہانی کار کو جنت اور

دوزخ ہر دو جگہ کی سیر کراتا ہے، جہاں اس کی ملاقات شاعروں، ادیبوں، زبان دانوں اور راویوں سے ہوتی ہے۔ یہ کتاب مختلف سفروں پر مشتمل ہے اور ہر سفر بہت سے افسانوی پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ان اسفار کی زبان بہت پیچیدہ ہے لیکن اتنی صدیاں بیت جانے کے باوجود آج بھی قاری اس سے مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اندلسی فلسفی ابن طفیل (۱۱۸۵۔۱۱۱۰) کے لکھے ہوئے فلسفیانہ ناول حیی بن یقظان کو کلاسیکل عربی ادب میں ممتاز مقام حاصل ہے۔صدیوں سے اس شاہ کار کی ادبی اہمیت قائم ہے۔ یہ ناول ایک ایسے آدمی کے متعلق ہے جو ساحل کے گارے سے یک دم نمودار ہوتا ہے اور ایک بے آباد جزیرے میں ہرن کے ساتھ پروان چڑھتا ہے۔اس کا مقصد الگ تھلگ رہ کر اپنی پیدائشی صلاحیتوں ، تجربات ،تصورات اور مشاہدات سے فلسفے اور مذہب کی گتھیاں سلجھانا ہے۔(۸) حقیقت یہ ہے کہ دانتے کی Devine Comedy ہو یا اسی نوع کا دیگر مغربی کام، وہ پیامبر اسلام ﷺ کے واقعہ معراج اور پھر معری کے رسالة الغفران کی ہی بازگشت کے تناظر میں سامنے آیا ہے۔

عربوں کے ہاں الف لیلہ و لیلہ اب تک فکشن کی قائم مقام رہی ہے۔یہ اور بات ہے کہ ادبی اعتبار سے سابق ادوار میں اسے کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی۔اس کی افسانوی اہمیت اس وقت سامنے آئی جب اٹھارویں صدی میں Antoine Galland نے ۱۷۰۴ء میں اس کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔(۹) پھر ۱۷۰۸ء میں اس کا ایک گم نام انگریزی ترجمہ چھپا۔اس کے بعد ترجموں کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ الف لیلہ و لیلہ کو امریکہ اور یورپ میں اتنی مقبولیت ملی کہ ۱۸۳۵ء میں اس کا پہلا عرب ایڈیشن شایع ہوا۔ اگر یہ کہا جائے کہ الف لیلہ و لیلہ ادبیات عالم میں سب سے زیادہ متاثر کن افسانوی متن ہے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔

عربی ادب میں کچھ کہانیاں لوک رومانس پر بھی پائی جاتی ہیں۔ان کہانیوں کے ذیل میں جنگوں کے حالات، مقابلہ بازی، محبت ،حسد، انتقام، پاکیزگی اور جواں مردی کے واقعات سب کچھ آجاتا ہے۔ یہ لوک رومانوی کہانیاں زیادہ تر اس وقت لکھی گئیں جب عرب سلطنت پر دوسری اقوام حملہ آور ہونا شروع ہو گئیں تھیں۔انھیں ہم عربوں کی رزمیہ کہانیاں بھی کہہ سکتے ہیں۔قبل از اسلام کی شاعری میں رزمیہ کی روح کافی حد تک پائی جاتی تھی۔مگر ابھی تک کوئی بڑا رزمیہ سامنے نہیں آیا تھا۔وجہ اس کی یہ تھی کہ جاہلی دور میں عربوں کو کسی باقاعدہ دشمن کا سامنا نہ تھا۔ ان کی زیادہ تر لڑائیاں باہمی قبائلی نوعیت کی ہوتی تھیں۔

اسلام کی بدولت عرب ایک جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ساتویں صدی میں عربی فتوحات کا پے در پے کامیاب سلسلہ شروع ہوا تو انھیں اس طرح کے کسی رزمیے کی سرے سے کوئی ضرورت ہی پیش نہ آئی کہ وہ اس کے ذریعے اپنی عظمت رفتہ کے گن گاتے ۔مگر جب منگولوں کے ہاتھوں عربوں کو شکست ہوئی تو رزمیہ کی ضرورت پڑی۔ عربی شاعری پہلے ہی گیتوں کی شکل اختیار کر چکی تھی اور مزاجاً بہت اعلیٰ سطح کی تھی۔اس طرح رزمیہ کی باقاعدہ گنجائش پھر بھی نہ بن پائی اور یوں یہ خلا نثر سے پر ہوا۔

جیسا پہلے ذکر ہوا، معاصر عربی ادب کا نقطۂ آغاز نپولین کے مصر پر قبضے کو قرار دیا جاتا ہے۔فرانس کا مصر پر

قبضہ ادبی اعتبار سے بہت ثمر بار ثابت ہوا۔عربی ادب میں نئے نئے تجربے ہوئے۔عرب ادیبوں اور شاعروں نے مغرب کی اصناف نظم ونثر میں دل چسپی لی۔یوں کہا جاسکتا ہے کہ دیگر اصناف کی طرح عربی ادب میں افسانے کا جدید تصور بھی مغرب ہی کا رہین ہے۔عربی ادب میں جدید فکشن، اس کے ادوار اور نمائندہ افسانہ نگاروں کے حوالے سے خورشید رضوی رقم طراز ہیں:

> ''دورِ جدید کے ناول اور افسانے نے قصہ گوئی کی اس قدیم روایت میں نیا رنگ پیدا کیا اور مغربی فکشن کے زیرِ اثر انیسویں صدی کے اواخر میں عربوں کے ہاں جدید افسانے کی داغ بیل پڑی۔مغربی افسانوں کے عربی میں ترجمے ہوئے اور طبع زاد افسانے بھی لکھے جانے لگے۔۱۸۷۰ء سے لے کر ۱۹۱۴ء تک کا مرحلہ جنینی (Embryonic) کہلاتا ہے جس میں سلیم البستانی ، منفلوطی ، لبیبہ ہاشم، خلیل جبران اور محمود تیمور جیسے لکھنے والوں نے ابتداء راہ ہموار کی۔۱۹۱۴ سے لے کر ۱۹۲۵ء تک زمانہ تجرباتی مرحلہ سمجھا جاتا ہے جس میں محمود تیمور اور محمود طاہر لاشین کا نام لیا جاتا ہے۔عربی فکشن کی تاریخ میں طہٰ حسین ،توفیق الحکیم، احسان عبدالقدوس، محمود تیمور اور یوسف ادریس کے نام نمایاں سمجھے جاتے ہیں۔''(۱۰)

عربی کے جدید فکشن کے حوالے سے محمد کاظم نے اپنی کتاب 'عربی ادب کی تاریخ' میں بہت اچھی جان کاری دی ہے ۔جدید فکشن پر محمد کاظم کا لکھا ہوا مضمون اتنا جامع ہے کہ اس پر اضافہ مناسب معلوم نہیں ہوتا ،اس لیے ذیل میں ان کی کتاب کے قدرے طویل اقتباس کا خلاصہ دیا جارہا ہے:

انیسویں صدی میں جب عرب ادیبوں کا یورپ سے واسطہ پڑا تو وہ افسانے کی جدید صورت سے واقف ہوئے۔انھیں یہ صنف بہت اچھی لگی۔ ابتدا میں کچھ مغربی افسانوں کا عربی میں ترجمہ کیا گیا لیکن یہ ترجمہ اصل کے مطابق نہیں ہوتا تھا بل کہ اسے عربی کی صنف مقامات کے اسلوب میں ڈھالا جاتا تھا۔ان افسانوں کی فضا بھی مصر کے مقامی حالات کے مطابق ہوتی اور زبان بھی عوامی استعمال کی جاتی تاکہ مصر کے قاری کے لیے یہ ایک نامانوس چیز نہ رہے اور وہ اس سے لطف اندوز ہو سکے۔

اس طرح کے ترجمے شروع میں رفاعه طهطاوی نے کیے لیکن بعد میں حافظ ابراهیم اور مصطفی لطفی المنفلوطی نے بھی یورپی افسانوں کے تراجم فصیح زبان میں کرنا شروع کیے۔ یہ اصل کے مطابق تو نہیں ہوتے تھے البتہ ان میں اصل کہانی کے بنیادی خطوط کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ محمود تیمور وہ عربی ادیب ہے جس نے مغربی افسانے کی طرز پر سب سے پہلے کامیاب عربی افسانہ لکھا۔ اس کے ۱۹۱۷ء میں لکھے ہوئے افسانے فی القطار (ریل میں) کو باقاعدہ افسانہ قرار دیا گیا۔پھر پہلی جنگ عظیم اول کے بعد بہت سے افسانہ نگار منظر عام پر آئے جنھوں نے اپنی تخلیقات سے عربی ادب میں اس صنف کو مقبول عام بنا دیا۔

سیاست اور سماج میں جو برائیاں راہ پا چکی تھیں، انھیں بے نقاب کرنے اور ان پر تنقید کرنے کا منصب افسانے نے اپنے ذمے لے لیا تھا جب کہ شاعری اس صورت حال سے لاتعلق رہی۔ افسانے کی مقبولیت کو دیکھتے

ہوئے یہ بڑی باقاعدگی سے اخباروں اور رسالوں میں چھپنے لگا۔ چوں کہ افسانہ نگاروں کی اکثریت مغربی اداروں کی تعلیم یافتہ تھی، اس لیے ان کے افسانوں میں مغربی رنگ نمایاں ہوتا تھا جس کا اعتراف انھیں خود بھی تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ افسانہ نگار ہمیشہ غیر ملکی ادب پر انحصار کرتے رہے۔ وہ اپنے محسوسات اور مشاہدات کو بروئے کار لائے اور انھوں نے طبع زاد افسانے بھی لکھے۔ان میں سے اکثر کا موضوع عرب ممالک کی داخلی زندگی نیز روزمرہ کے معاشرتی واقعات ہوتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد عربوں کو پے در پے ایسے سانحات کا سامنا کرنا پڑا جس نے ان کے مزاج ،نفسیات اور سوچنے کے انداز کو بالکل بدل کر رکھ دیا۔ان کے سیاسی و معاشرتی حالات میں بہت دوررس تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

جنگ کے خاتمے کے بعد مئی ۱۹۴۸ء میں یہودیوں نے فلسطین میں بزور طاقت اسرائیلی ریاست قائم کرلی ۔اس کے فوراً بعد ہمسایہ عرب ریاستوں نے اسرائیل پر حملہ کردیا لیکن مقابلے میں شکست کھائی۔ پھر ۱۹۵۶ ء میں مصر ،اردن اور شام نے مل کر اسرائیل کا ایک تجارتی راستہ بند کرنے کی کوشش کی تو اسرائیل نے جوابی کارروائی کرتے ہوئے صحرائے سینا پر حملہ کردیا.....جون ۱۹۶۷ء کی چھ روزہ جنگ میں اسرائیل نے دوبارہ مصر، اردن اور شام پر حملہ کردیا اور ایک طرف صحرائے سینا کو فتح کرلیا جب کہ دوسری طرف یروشلم کے مسلم حصے پر بھی قبضہ کرلیا۔

اسرائیل کے خلاف ان جنگوں میں عرب پے در پے جن ہزیمتوں اور تلخ تجربوں سے گزرے،اس سے ان کی نئی نسل میں ایک قسم کی برگشتگی ،انتقامی جوش اور ایک زخم خوردہ جذباتی کیفیت پیدا ہوگئی ۔ الثورہ الثورہ یعنی انقلاب انقلاب کی صدا ہر سمت بلند ہونے لگی.....ان ہزیمتوں کے بعد پوری عرب دنیا میں نظرثانی کی ایک تحریک چل نکلی۔ ہر چیز پر نظرثانی چاہے وہ معاشرہ اور اس کی موجودہ ہئیت ہو،عقلیات اور افکار ہوں ، روایتی ورثہ اور اس کی قدروقیمت ہو یا جدید اور ترقی یافتہ نظام ہائے زندگی اور ان کی کم زوریاں۔اس طرح ادب کے موضوعات اور ان کی صورت کے بارے میں بھی نظرثانی کی جانے لگی...... عالم عرب میں نئی افسانوی تخلیقات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ نظرثانی کی تحریک سے افسانہ نگاری پر درج ذیل اثرات مرتب ہوئے:

- افسانہ حقیقت واقعہ کے مزید قریب ہوگیا۔ بات کہنے اور تنقید کرنے کے انداز میں جرات پیدا ہوئی۔نئی تکنیک اور نئی فارم کے تجربے زیادہ اعتماد کے ساتھ کیے جانے لگے۔
- ادیبوں کے ایک گروہ پر اس صورت حال کا اثر قدرے مختلف بھی ہوا۔ان کی کہانیوں میں اجنبیت کا احساس، تلخی وتندی، یاس آمیز احتجاج اور لایعنیت کی پرچھائیاں دکھائی دیتی ہیں۔
- اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ نئے حالات میں فن اور فنکار کی معاشرے سے علیحدگی کا اسطورہ ختم ہوگیا ہے۔ادب برائے ادب کا نظریہ متروود ہو چکا ہے۔یہ تبدیلی محض نظریات وتصورات کی دنیا میں ہی پیدا نہیں ہوئی بل کہ اس کا عملی اظہار ادیبوں ،شاعروں اور افسانہ نگاروں کی نئی تخلیقات میں صاف نظر آتا ہے۔'' (۱۱)

حوالے:

(۱) مزید وضاحت کے لیے دیکھیے:

Orientalism can be discussed and analyzed as the corporate institution for dealing with the Orient-dealing with it by making statements about it, authorizing views of it, describing it, by teaching it, settling it, ruling over it: in short, Orientalism as a Western style for dominating, restructuring, and having authority over the Orient.

Orientalism, Edward W .Said, Vintage Books, *Adivision of Random House*, New York, 1978, p3

(2) *Modern Arabic Fiction* (Ed)Salma Khadar Jayyusi, Columbia University Press, New York, 2005, P3

(۳) عربی ادب کی تاریخ، محمد کاظم، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۳۸۶، ۲۰۰۵

(4) *Modern Arabic Fiction* (Ed) P4

(۵) عربی ادب کی تاریخ، محمد کاظم، ص ۴۳۷

(۶) عربی ادب کی تاریخ، محمد کاظم، ص ۴۳۷

(۷) عربی ادب کی تاریخ، محمد کاظم، ص ۱۹۱

(8) J.C.Burgel, Ibn Tufayl and His Hayy ibn Yaqzan: A Turning Point in Arabic Philosophical Writings, in: *The Legacy of Muslim Spain*, ed Salma Khadra Jayyusi, Leiden,1994, PP 830-831,

(۹) عربی ادب میں مطالعے، محمد کاظم، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۱۱، ۲۰۱۲ء

(۱۰) پیش گفتار، جدید عربی افسانے از خورشید رضوی، قریشی برادرز پبلشرز، لاہور، ص ۱۰، ۲۰۱۲

(۱۱) جدید عربی افسانے، جاوید مجید، قریشی برادرز پبلشرز، لاہور، ص ۲۴-۲۲، ۲۰۱۲